عطرت بتول

پی ایچ ڈی ریسرچ اسکالر

شعبہ اردو زبان وادب، فاطمہ جناح ویمن یونیورسٹی، راولپنڈی۔

ڈاکٹر اقلیمہ ناز

اسسٹنٹ پروفیسر

شعبہ اردو زبان وادب، فاطمہ جناح ویمن یونیورسٹی، راولپنڈی۔

محمد حمید شاہد کے افسانوی مجموعہ "جنم جہنم" کا نفسیاتی تجزیہ: فرائیڈ اور کارل جنگ کے نظریاتِ شخصی کے تناظر میں

Abstract:

To analyze a literary piece in the light of psychological aspect is not a new trend in literature studies. Before this article, a large number of such examples exist where literary works are analyzed under different psychological perspectives. Anyhow, a common study shows that usually only one psychological aspect or theory is applied on a character or a literary work and so such character/work is always considered under such theory. The reality is a bit opposite. A character may be analyzed under more than one psychological perspective at a time. In this article, the psycho analysis of selected short stories/characters of Janam Jahanam (2nd collection) by contemporary Urdu short story writer Muhammad Hameed Shahid is presented under personality theories of Freud and Carl Gustave Jung. It is tried to clear that a single character/ author may represent more than one psychological perspective at a time. One more issue is also cleared that psychological criticism is not strictly prohibited to the personality of the author only. The characters of an author are social products so they are more exhibited in the light of collective unconscious rather author's personal unconscious.

Key Words:

Psychoanalysis, Hameed Shahid, Janam Jahanam, Freud, Carl Gustave Jung, Collective Unconscious

جدید اردو نثر کے میدان میں محمد حمید شاہد کی شخصیت نمایاں قدر رکھتی ہے۔ان کی کتب کثیر تعداد میں شائع ہو چکی ہیں جن میں غالب تعداد افسانوی نثر کی ہے۔حمید شاہد کا آبائی علاقہ پنڈی گھیب ہے جہاں وہ ۱۹۵۷ء میں تولد ہوئے۔ان کی ابتدائی تعلیم بھی پنڈی گھیب سے ہی ہے۔ثانوی امتحان میں کامیابی کے بعد ان کا داخلہ فیصل آباد کی زرعی جامعہ میں ہو گیا۔بعد ازاں قانون کی تعلیم کے حصول کے لیے انہوں نے جامعہ پنجاب لاہور کا رخ کیا۔ادبی سفر کی شروعات زمانہ طالبعلمی سے ہی ہو گئی تھیں۔ ان کے افسانوں میں بیانیے کے متنوع تجربات ملتے ہیں جو ان کی ادبی حیثیت کو قد بخشتے ہیں۔وہ فکشن کے رموز و اوقاف سے اچھی طرح واقف ہیں۔ان کی افسانہ نگاری کی بابت جلیل عالی لکھتے ہیں کہ :

"محمد حمید شاہد کا وجود غنیمت ہے کہ ان کے ہاں ساری صورت حال کو جرات سے دیکھنے اور مزاحمت سے تخلیقی سطح پر برتنے کا رویہ ملتا ہے۔ان کے ہاں زبان و بیان کے بہت سے تجربات ملتے ہیں۔(۱)"

حمید شاہد کی نثر میں پایا جانے والا تنوع ان کی نثر کے مطالعہ کے متعدد پہلو سامنے لاتا ہے۔انہی میں سے ایک پہلو ان کے افسانوی کرداروں کے نفسیاتی پہلوؤں کا مطالعہ بھی ہے۔زیر بحث مقالہ میں ان کے منتخب افسانوں کا نفسیاتی تجزیہ پیش ہے۔اس تجزیہ میں شخصی مطالعہ کی بابت سگمنڈ فرائیڈ اور کارل جنگ کے پیش کردہ نفسیاتی نظریات کو بطور خاص مد نظر رکھا گیا ہے۔ مذکورہ مطالعہ میں مصنف کی ذات کی نفسیاتی گرہیں کھولنے کی بجائے ان کے تخلیق کردہ کرداروں کی نفسیات کو اجاگر کرنے کی مساعی پیش ہے۔اس امر کا مقصود یہ ہے کہ معاشرے میں پنپتے ہوئے مختلف نفسیاتی مسائل ورجحانات کی نقاب کشائی کی جاسکے۔ماقبل مقالہ، کسی مصنف کی تخلیقات کے نفسیاتی مطالعہ کی بابت یہ رجحان عام ہے کہ اس کی تخلیقات میں موجود ہر نفسیاتی پہلو کو مصنف کی شخصیت وطبیعت کے تناظر میں دیکھا جائے یا دوسرے الفاظ میں یہ کہ ان پہلوؤں کو صرف مصنف کی ذات تک محدود کر دیا جائے اور ان نفسیاتی پہلوؤں پر صرف اور صرف مصنف کے نفسیاتی حالات کو منطبق کیا جائے۔اس ضمن میں ممتاز مفتی کے ناول "علی پور کے ایلی" کے کردار "ایلی" کی مثال لی جاسکتی ہے جس کی بابت یہ معروف ہے کہ یہ کردار خود ممتاز مفتی کا ہی ہے کیونکہ اس کردار کے حالات ممتاز مفتی کے حالات کے بین ہیں، نیز یہ کہ جو نفسیاتی حالت مذکورہ کردار سے متعلق ہے وہی ممتاز مفتی کی شخصیت سے بھی متعلق ہے اور اس کی نیم عکاسی ممتاز مفتی کی دیگر تحاریر میں بھی ملتی ہے۔ عین ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو، اس کی تائید کئی حوالوں سے ملتی بھی ہے۔ممتاز مفتی کے

افسانوی مجموعوں کے کلیات "مفتیانے" کے آخر میں "علی پور کا ایلی" کی بابت قدرت اللہ شہاب کا مضمون "سرکس کا سانٹے مار" شامل ہے۔ اس مضمون کے اواخر سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> "روزمرہ کی زندگی میں ممتاز مفتی سرکس کا "سانٹے مار" ہے۔ وہ ہر وقت لنگر لنگوٹ کسے، بدن پر تیل ملے، سدھے سدھائے ہاتھیوں اور بندھے بندھائے شیروں کو سانٹے مار مار کر سدھارتا اور مزید باندھتا رہتا ہے۔ "علی پور کا ایلی" اسی سرکس کی ایک جھلک ہے۔"(۲)

درج بالا حوالہ اس امکان کا مظہر ہے کہ "علی پور کا ایلی" مفتی کی روزمرہ زندگی کا عکاس ہے لیکن یہ پہلو بھی سامنے رکھنا ضروری ہے کہ ایسا نہیں بھی ہو سکتا۔ یہ لازم ہر گز نہیں کہ ہر فن پارے کا نفسیاتی تجزیہ یوں ہی کیا جائے کہ افسانوی کردار میں مصنف کا عکس ہی دیکھا جائے۔ لیکن یہ امر قابل تاسف ہے کہ ہمارے حلقوں اگر ایک قبیل کا مطالعہ سند پا جائے تو اس قبیل کے کئی مطالعات سامنے آنے لگتے ہیں جن میں صرف اسما کا فرق ہوتا ہے، دیگر مطالعہ کی تمام بنت تھوڑی بہت تفریق کے ساتھ پہلی تحریر کی تصریف معلوم ہوتی ہے۔ ادب اور نفسیات کا تعلق دن بدن مضبوط ہو رہا ہے۔ حتیٰ کہ کئی مواقع پر تو نفسیات کے متنوع نظریات کی تفہیم ہی نئے ادب کا مطمح نظر معلوم ہوتی ہے۔ جدید ادب کے نفسیاتی زاویوں کی بابت دیوندر آسر کی بیان کردہ اس حقیقت سے مفر نہیں کہ:

> "جدید ادب نفسیات کے نظریوں کی روشنی میں فرد اور اس کے ذہنی عمل میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لینے لگا ہے۔ جدید ادب میں ایک مخصوص نظریہ تو کردار کی ذہنی کیفیت کے بیان کو ہی اپنا مقصود سمجھتا ہے، جدید ادب میں ہمیں اکثر اوقات فرد اور اس کے ذہن، اس کی لاشعوری قوت اور ذہنی کیفیات کے گوناگوں تجربات کا بیان ملتا ہے۔۔۔ادیب ذہن کے شعوری عمل کی بجائے لاشعوری عمل کو انسانی کردار کا خاکہ سمجھنے لگا ہے جس کے باعث ادب میں نئے رجحانات پیدا ہوئے ہیں۔"(۳)

عرف عام میں ادب کے فرد اور اس کے ذہنی عمل کے مطالعہ کو نفسیاتی تنقید کا نام دیا جاتا ہے تاہم نفسیاتی تنقید سے ہر گز یہ مراد نہیں ہونا چاہیے کہ مصنف کے تخلیق کردہ کرداروں کی نفسیات کے آئینے میں مصنف کی ہی نفسیات کا عکس دیکھا جائے۔ تخلیق کار کے کرداروں کی بنت میں اس کے مشاہدات کا خمیر ہوتا ہے اور اس کے مشاہدے میں معاشرے کے متنوع کردار ہوتے ہیں۔ ان کرداروں کی نفسیات بھی مختلف ہوتی ہے۔ تخلیق کار جب کہانی میں

کسی کردار کے مخصوص نفسیاتی پہلو کی عکاسی کرتا ہے اور ناقد اس کردار کے نفسیاتی تجزیات کو پیش کرتا ہے تو اس قبیل کی نقد کا شمار بھی نفسیاتی تنقید کے زمرے میں ہی آتا ہے۔

ادبی فن پاروں کے نفسیاتی مطالعہ میں مرکزی شخصیات و کرداروں کا نفسیاتی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں ان نفسیاتی نظریات کو سمجھنا اور مدِ نظر رکھنا انتہائی ضروری ہے جنہیں بنیاد بنا کر یہ مطالعات وقوع پاتے ہیں۔ فرائیڈ اور ان کے شاگرد کارل جنگ کے نام اس حوالے سے خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔ شخصیت سازی میں دماغی امور کو خصوصی عمل دخل ہے جن کا دار و مدار دماغ کی حالت پر ہے۔ یہ حالت طبعی اعتبار سے جتنی اہمیت کی حامل ہے اتنی ہی اہمیت دماغ کی فعالیت، یاداشت اور اس کے جاری کردہ احکامات کی بھی ہے۔ انسانی دماغ کے بارے میں فرائیڈ کا نظریہ ہے کہ یہ برف کے ایک ٹکڑے (آئس برگ) کی مثل ہے جس کا خفیف حصہ پانی کی سطح کے اوپر ہوتا ہے جبکہ اس ٹکڑے کا بڑا حصہ پانی کی سطح سے نیچے یعنی زیر آب ہوتا ہے۔ یہ تین حصوں میں منقسم ہے۔ شعور، تحت الشعور اور لاشعور۔ پہلے حصے کے بارے میں فرائیڈ کا کہنا ہے:

> The conscious refers to those ideas and sensations of which we are aware. It operates on the surface of personality, and plays a relatively small role in personality development and functioning.(4)

یعنی شعور (Conscious) سے مراد وہ باتیں یا امور ہیں جن سے ہمہ وقت انسان واقف ہوتا ہے۔ بہ الفاظِ دیگر یہ امور ہمہ وقت انسان کی یاد میں فعال رہتے ہیں۔ یہ آئس برگ کا وہ حصہ ہے جو پانی سے باہر نظر آتا ہے۔ دماغ کے دوسرے حصے کے بارے میں فرائیڈ کا کہنا ہے:

> The preconscious contains those experiences that are unconscious but that could become conscious with little effort. The preconscious exists just beneath the surface of awareness.(5)

یعنی تحت الشعور (Preconscious) سے مراد وہ باتیں ہیں جن سے ہم آگاہ تو ہیں مگر بوجوہ بھولی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ یہ شعور کی سطح سے ذرا ہی دور ہیں اور کسی بھی وقت شہ پا کر فعال ہو کر شعور کا حصہ بن سکتی ہیں۔ یہ آئس برگ کا وہ حصہ ہے جو پانی میں ڈوبا ہوا ہے اور کسی بھی وقت اچھل کر باہر آ سکتا ہے۔ دماغ کے تیسرے حصے کے بارے میں فرائیڈ کا کہنا ہے:

> In contrast, the unconscious operates on the deepest level of personality. It consists of those experiences and memories of which we are not aware.(6)

یعنی لاشعور (Unconscious) سے مراد وہ باتیں ہیں جو انسان کبھی چاہتے ہوئے اور کبھی نہ چاہتے ہوئے چھپاتا ہے یا ان پر پردہ ڈالتا ہے۔ یہ باتیں ہمارے لاشعور میں چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ انسان کی عملی زندگی میں یہ باتیں مختلف روپ دھار کر ظاہر ہوتی ہیں۔ یعنی یہ آئس برگ کا وہ حصہ ہیں جو مستقلاً پانی میں ہے، ظاہر نہیں ہوتا۔ ہم دماغ کے اس حصے کو جبری طور پر دبا کر رکھتے ہیں، ظاہر ہونے نہیں دیتے، اس لیے اس حصے کے مقابل پیدا ہونے والا خیال کسی اور شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے۔

فرائیڈ نے لاشعور کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ لاشعوری کیفیات شعور سے فاصلے پر ہی رہتی ہیں کیونکہ Psychoanalytic Perspectives اور Neoanalytic Perspectives اگر ان لاشعوری کیفیات کو شعور کا حصہ بنا دیں تو یہ از حد تکلیف کا باعث بن جاتا ہے۔ ان لاشعوری کیفیات میں جنسی استحصال، محرمات سے جنسی تعلق کا رذیل احساس، جذباتی استحصال، غصہ، انتقام، تکلیف دہ احساسِ شرمندگی، ندامت اور تقابلی تجربات شامل کیے جا سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی کسی بھی کیفیت سے صرف اس طرح دامن نہیں چھڑایا جا سکتا کہ انہیں شعور سے لاشعور میں منتقل کر دیا جائے۔ یہ کیفیات لاشعور میں رہ کر شعور کو متشکل کرتی ہیں اور بعض اوقات بہت تلخ اور جارحانہ رویوں کی بنیاد بنتی ہیں۔ لاشعوری کیفیات شعور اور رویے میں تسلسل کے ساتھ دخل اندازی کرتی رہتی ہیں۔ (7)

عام مشاہدہ کہتا ہے کہ ان انسانوں کی نسبت جن کی نفسیاتی صحت کمزور ہوتی ہے، نفسیاتی طور پر صحت مند انسان اپنے تجربات کی بہتر آگہی رکھتے ہیں۔ تاہم فرائیڈ کا کہنا ہے کہ اکثر یہی باشعور لوگ دوسروں کے تابع صرف اس وجہ سے آ جاتے ہیں کیونکہ ان کے لاشعور میں پنہاں ضروریات اور تصادم انہیں اس نوبت تک لے آتے ہیں۔ اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ فرائیڈ کے نزدیک لاشعور کس قدر طاقتور مظہر ہے۔

فرائیڈ کے شاگرد کارل جنگ کا کہنا ہے کہ انسانی شعور اور ذاتی لاشعور کے علاوہ انسانی دماغ سے متعلقہ ایک مستزاد مظہر بھی واقع ہے جسے اجتماعی لاشعور (Collective Unconscious) کہا جاتا ہے۔ رائک مین سے کارل جنگ کے اجتماعی لاشعور کی بنیادی توضیح نقل ہے:

> "A deposit of world processes embedded in the structure of the brain and the sympathetic nervous system [which] constitutes, in its totality, a sort of timeless and eternal world-image which counterbalances our conscious momentary picture of the world" (Jung, 1969, p. 370). In other words, it is the storehouse of latent memories of our human and prehuman ancestry. It consists of

instincts and archetypes that we inherit as possibilities and that often affect our behavior."(8)

کارل جنگ کے مطابق "لاشعور" دراصل انفرادی لاشعور (فرد کی ذاتی کیفیات پر مبنی) اور اجتماعی لاشعور کا مرکب ہے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ خالی الدماغ نہیں ہوتا بلکہ قبل از پیدائش کی زندگی کے دوران ہی اس کے دماغ پر کچھ نقوش مرتب ہو جاتے ہیں جو اس کے اجتماعی لاشعور کی بنت کرتے ہیں۔ گویا بچہ اپنے جینز میں اجتماعی لاشعور لے کر تولد ہوتا ہے۔ یہ امر اس بات کا مظہر ہے کہ اجتماعی لاشعور انسان کے انفرادی لاشعور کے پنپنے سے پہلے ہی اثر انداز ہو جاتا ہے۔

اجتماعی لاشعور سے مراد وہ نقوش، تصاویر، عقائد اور علامات ہیں جو پیدائش سے پہلے ہی انسانی ذہن میں موجود ہیں، بہ الفاظِ دیگر یہ چیزیں رحمِ مادر سے بچے کے ساتھ دنیا میں آتی ہیں۔ اجتماعی لاشعور میں پنہاں یہ چیزیں غیر محسوس انداز میں فرد کے طرز عمل، عقائد اور جذبات پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ انسان چونکہ معاشرے کی پیداوار ہے اور اس کے والدین بھی معاشرے کے پروردہ ہیں اس لیے والدین سے جو کچھ بھی بچے میں منتقل ہو گا وہ انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی ہو گا۔ اس اعتبار سے اجتماعی لاشعور سے مراد دماغ کے ایسے اجزاء ہیں جو تمام انسانوں کے درمیان مماثل ہیں۔ اجتماعی لاشعور کی بنیاد میں انسان کی تمام نسلوں کی مشترکہ جبلتوں کا ایک سلسلہ ہے۔ یہ جبلتیں ایک فرد کی اصل، ثقافت یا نسل سے قطع نظر تمام افراد میں مشترک ہیں۔

کارل جنگ کا دوسرا اہم نظریہ آرکی ٹائپ کا ہے جس کی اصل نظریہ اجتماعی لاشعور ہی ہے۔ کارل جنگ کے نزدیک:

"An archetype is a universal thought form or predisposition to respond to the world in certain ways."(9)

یعنی آرکی ٹائپ ایسی آفاقی سوچ یا رجحان ہے جس کی بنیاد پر دنیا کے کسی عمل کا مخصوص رد عمل دیا جاتا ہے۔ کارل جنگ کے نزدیک اجتماعی لاشعور دراصل مختلف آرکی ٹائپس کا مجموعہ ہے۔ برس ہا برس کے تجربات، علامتیں، نشانیاں، تصاویر، تشبیہیں وغیرہ جو انسان کے ذہن میں ماقبل پیدائش کے وقت سے موجود ہیں، یہی اس کی آرکی ٹائپ ہیں جن کی بنیاد پر وہ زیست کرتا ہے۔ ان آرکی ٹائپس میں مثبت و منفی دونوں طرح کی خاصیتیں موجود ہیں۔ یوں تو انسانی نفسیات میں متفرق آرکی ٹائپس دخیل نظر آتی ہیں لیکن کسی شخصیت کے مطالعہ سے متعلق کارل جنگ نے مخصوص چار بنیادی آرکی ٹائپس بیان کیے ہیں جن کی روشنی میں مذکورہ شخصیت کو سمجھا جا سکتا ہے:

1۔ذات

انگریزی میں کارل جنگ کی وضع کردہ اس نفسیاتی اصطلاح کے لیے self کا لفظ مستعمل ہے۔ کارل جنگ کے پیش کردہ نظریات میں اس کی حیثیت بنیادی آرکی ٹائپ کی ہے۔

> "The self represents the striving for unity of all parts of the personality... The true self lies on the boundary between conscious and unconscious, reason and unreason. The development of the self is life's goal, but the self archetype cannot begin to emerge until the other personality systems have been fully developed."(10)

ذات انسانی ذات کا مرکز اور کل ہے اور اس میں ایک شخص کا شعور اور لاشعور دونوں دخیل ہیں۔ ذات کے تحت انسان کے شعور کا مرکزی نقطہ انا یعنی ego ہے۔ اسی طرح لاشعور کا مرکزی نقطہ پرچھائی یعنی shadow ہے جس کا مذکور آگے موجود ہے۔ ذات میں دو مختلف عناصر یعنی شعور اور لاشعور کا اختلاط واقع ہوتا ہے۔ یہ سنگم کا مقام ہے۔ ان دو عناصر کی باہمی ہم آہنگی ہی شخصی اعتدال کا باعث بنتی ہے۔

2۔پرچھائی

انگریزی میں جنگی نفسیات کی اس اصطلاح کے لیے Shadow کا لفظ مستعمل ہے۔ یہ انسانی نفسیات کا منفی رخ گردانا جاتا ہے۔ یعنی یہ شخصیت کے منفی پہلوؤں کا اجتماع ہے۔ یہ پہلو انسان کے لاشعور سے وابستہ جبلت پر بھی مشتمل ہو سکتے ہیں۔ فرائیڈ جن پراگندہ یادوں، جنسی بے ضابطگیوں، کجیوں اور سیاہ پہلوؤں کا ذکر کرتا ہے، ان تمام کا اشتمال پرچھائی میں واقع ہو سکتا ہے۔ مذکورہ عناصر کا اعتراف کرنا یا انہیں کھلے عام تسلیم کر لینا ایک مشکل فعل ہے کیونکہ پرچھائی میں ایسے عناصر بھی شامل ہوتے ہیں، انسان جن کو بھلانے کی سعی کرتا ہے۔ یہ عناصر دراصل اس کے لیے ناگواری کا باعث ہیں۔ اگر انسان انہیں سمجھ کر اس پر قابو پالے تو وہ اپنے لیے درست معاشرتی نقاب یعنی "پرسونا" کا استعمال کر سکتا ہے۔ کارل جنگ کے پیش کردہ نظریات کے مطابق اگر انسان اپنی ذات کے منفی گوشوں سے واقفیت حاصل کر لیتا ہے اور انہیں تسلیم کر لیتا ہے تو یہ اس انسان کے قوی الدماغ اور مضبوط ذہنی صلاحیتوں کے حامل ہونے کی نشانی ہے۔ ان منفی پہلوؤں میں متفرق عناصر گنے جا سکتے ہیں۔ طمع، حسد، حرص، بغض، کینہ، منافرت وغیرہ ایسے منفی جذبات ہیں جو ندامت کا باعث بن سکتے ہیں۔ اسی طرح انسان کا ناآسودہ تمنا، ناکامیابی یا کمزوری کو کھلے بندوں قبول کر لینا بھی آسان نہیں ہوتا اس لیے ان عناصر کا اخفا کیا جاتا ہے۔

> "The shadow encompasses those unsocial thoughts, feelings, and behaviors that we potentially possess and other characteristics that we do not accept. It is the opposite side of the persona; in that it refers to those desires and emotions that are incompatible with our social standards and ideal personality… Jung's choice of the word shadow is deliberate and designed to emphasize its necessity. There can be no sun that does not leave a shadow. The shadow cannot be avoided, and one is incomplete without it… To neglect or try to deny the shadow involves us in hypocrisy and deceit."(11)

3۔ نقاب

انگریزی میں کارل جنگ کی پیش کردہ نفسیات کی اس اصطلاح کے لیے Persona کا لفظ مستعمل ہے۔ "پرسونا" لاطینی لفظ ہے اور لفظ "پرسنیلٹی" کا ماخذ ہے۔اس کے معنی "نقاب" کے ہیں۔ جنگ کے مطابق "پرسونا" انسان کا وہ ظاہری چہرہ ہے جو وہ دنیا کو دکھاتا ہے۔ بہ الفاظِ دیگر یہ ایسا نقاب ہے جس سے انسان دنیا سے ملاقات کے وقت اپنے چہرے کو ڈھانپ لیتا ہے۔ یہ نقاب انسان کے اصل چہرے کو دنیا کے لیے قابل قبول بناتا ہے۔یعنی انسان کا اصل چہرہ پس پردہ رہتا ہے اور معاشرے کے سامنے اس کے چہرے کا ایسا زاویہ پیش کیا جاتا ہے جسے خوش دلی سے قبول کیا جائے۔ نفسیات میں اسے انسان کا منفی پہلو نہیں گردانا جاتا نہ ہی اس کا مقصد دھوکہ دہی ہے بلکہ اسی کی وجہ سے سماجی اور معاشرتی مطابقت کی تعمیل ہوتی ہے۔اس کی حیثیت رابطے کی ایک ایسی سطح جیسی ہے جہاں انسان کا اندر باہر کی دنیا سے ہم آہنگ ہو کر تعاملات کرے۔ یہ نقاب سماجی حوائج کو پورا کرنے کے لیے وضع ہوتا ہے اسے لیے اسے سماجی نقاب بھی کہہ سکتے ہیں جس کا مقصد سماجی تطابق کی فضا ہموار کرنا ہے۔ سماجی نقاب کا استعمال حالات اور وقت کے پیش نظر کیا جاتا ہے۔اس ذیل میں ایک معلم کی مثال لی جا سکتی ہے۔ ایک معلم درونِ خانہ کیسی ہی شخصیت اور برتاؤ کا حامل کیوں نہ ہو، دنیا اسے ایک مخصوص چہرے کے ساتھ دیکھنا چاہتی ہے۔اس لیے جب بھی معلم سماجی تفاعل کرے گا تو وہ سماجی نقاب اوڑھ کر ان لوازمات کا التزام برتے گا جو اس سے متوقع ہیں۔ یہی حال ایک طبیب کا بھی ہے۔اپنی عملی زندگی میں طبیب بھلے حفظانِ صحت کے اصولوں پر کاربند نہ رہے، دنیا کے سامنے اسے ان اصولوں کا پرچار کرنا ہے۔ یہ اس کے پیشے کا تقاضا ہے۔اس لیے دنیا کے سامنے وہ ایسا برتاؤ روا رکھے گا جس کی توقع دنیا اس سے کرتی ہے۔اس عمل کو روا رکھنے کے لیے طبیب سماجی نقاب اوڑھ لے گا۔ اسی طرح ماں کے رتبے پہ فائز عورت کی مثال لے لیں۔ دنیا ماں کے روپ میں سنجیدہ، ذمہ دار اور پختہ سوچ کی حامل عورت کو ہی سند قبولیت بخشتی ہے۔اب چاہے یہ عورت طبعاً شوخ اور کھلنڈرے مزاج کی ہو، لیکن جب وہ ماں

بنے گی تو اسے دنیا کے سامنے ایسے ہی نظر آنا ہو گا جس کی دنیا متقاضی ہے۔ ان امثال سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص کو ظاہر کی دنیا میں ویسے ہی جینا پڑتا ہے جیسے وقت اور حالات کا تقاضا ہوتا ہے۔ ایسے میں باطن دنیا سے الگ ہوتا ہے اور ظاہر ہی فعال ہوتا ہے۔ یعنی ہر شخص بمطابق ضرورت سماجی تطابق کے لیے مناسب ترین سماجی نقاب کا استعمال کرتا ہے۔ یہاں تک اس فعل میں کوئی رخنہ واقع نہیں ہوتا۔ اصل مسئلہ اس وقت سر اٹھاتا ہے جب ایک شخص یا تو سماجی تعامل کی مناسبت سے سماجی نقاب کے انتخاب کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یا پھر وہ سرے سے ہی سماجی نقاب استعمال کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوتا ہے۔ ایسے ہی افراد اپنے ماحول اور اپنے معاشرے سے منحرف ہوتے ہیں اور عدم مطابقت کی مثال بنتے ہیں۔ سماجی نقاب کی بابت کارل جنگ ایک اور اہم مسئلے کی جانب مشار ہے اور وہ یہ کہ بعض اوقات انسان اپنے اصل چہرے اور اپنے سماجی نقاب کے مابین تفریق کھو بیٹھتا ہے۔ اصل چہرہ دراصل انسان کی ذات ہے اور سماجی نقاب ایک وقتی تقاضا ہے۔ جب انسان ان میں تمیز کھو دے تو وہ سماجی نقاب کو ہی اپنی ذات سمجھ لیتا ہے۔ اس کی توجیہہ مذکور ہے کہ انسان سماجی نقاب کا غیر ضروری اور موقع بے موقع استعمال کرنے لگ جائے تو ایک وقت آتا ہے کہ سماجی نقاب اس کی ذات پر حاوی ہو جاتا ہے۔ جب ایک عارضی اور مصنوعی مظہر یعنی سماجی نقاب ایک مستقل اور فطری مظہر یعنی ذات کی جگہ لے لے تو Enantiodromia نامی نفسیاتی عارضے کے جنم لینے کا خدشہ واقع ہوتا ہے۔ اس عارضے سے بچنے کے لیے کارل جنگ انفرادیت یعنی Individuation کا تصور پیش کیا۔ اس سے مراد ایسا مناسب ترین سماجی نقاب ہے جسے استعمال کرنے سے سماجی تفاعل کی بھی تعمیل ہو اور ذاتی تشخص بھی برقرار رہے۔ سماجی نقاب کی ذیل میں ماں، معلم، طبیب، باپ، بیٹی، فنکار وغیرہ عمومی آرکی ٹائپ ہیں۔

> "The persona is the social role that one assumes in society and one's understanding of it… The Latin word personae refers to the masks that actors wore in ancient Greek plays (persona is the singular form). Thus, one's persona is the mask that one wears in order to adjust to the demands of society. Each one of us chooses or is assigned particular roles in our society. The persona represents a compromise between one's true identity and social identity. To neglect the development of a persona is to run the risk of becoming asocial. On the other hand, one may identify too completely with the persona at the expense of one's true identity and not permit other aspects of one's personality to develop. The persona assigned to a group—for example, to women, African Americans, or persons of Asian descent—may limit and cripple the development of individuals in the group as

well as the group itself. Changes in one's social role, such as marriage, unemployment, or retirement, can lead to dissonance." (12)

4۔اینیما /اینیمس

اینیما کے انگریزی ہجے Anima جبکہ اینیمس کے انگریزی ہجے Animus ہیں۔دونوں الفاظ کا اصل ایک ہے۔اس لفظ کا تعلق لاطینی زبان سے ہے۔اس کے معانی سانس یا روح کے ہیں۔یہ انسانی نفسیات میں موجود وہ تصور ہے جسے "اصل ذات" کہا جا سکتا ہے۔اس کے متعلق جنگ کے ہاں دو تصورات نظر آتے ہیں۔پہلا لفظ اینیما مردوں سے متعلق ہے۔اینیما سے مراد مرد کے لاشعور میں چھپی ہوئی نسائی خصوصیات ہیں۔دوسرے لفظ کا تعلق عورتوں کی نفسیات سے ہے۔اس سے مراد عورت کے لاشعور میں دبی ہوئی مردانہ خصوصیات ہیں۔ہر مرد کے اندر اینیما جبکہ ہر عورت کے اندر اینیمس پایا جاتا ہے تاہم اس موجودگی کی شرح ہر ایک میں مختلف ہے۔

"Each one of us is assigned a sex gender, male or female, based on our overt sexual characteristics. Yet none of us is purely male or purely female. Each of us has qualities of the opposite sex in terms of biology and also in terms of psychological attitudes and feelings. Thus, the anima archetype is the feminine side of the male psyche, and the animus archetype is the masculine side of the female psyche. One's anima or animus reflects collective and individual human experiences throughout the ages pertaining to one's opposite sex. It assists us in relating to and understanding the opposite sex."(13)

اینیما اور اینیمس کی بدولت ہی جنسِ مخالف کو سمجھا جا سکتا ہے۔یہی آرکی ٹائپ جنس مخالف سے بات چیت اور دیگر تعاملات کے مسائل کو حل کرنے میں معاون ہوتا ہے۔نفسیاتی طور پر صحت مند افراد میں اس آرکی ٹائپ کی سطح متوازن ہوتی ہے۔بالفرض یہ توازن ختم ہو جائے تو جنس مخالف سے معقول معاشرتی و سماجی تعلقات رکھنا مشکل ہوتا ہے۔یہاں مخالف جنس سے تعلقات سے مراد مرد و عورت کا جنسی تعلق ہر گز نہیں بلکہ اس ضمن میں ماں اور بیٹے کا تعلق، باپ اور بیٹی کا تعلق، بہن اور بھائی کا سماجی تعلق متصور ہے۔

معاشرے میں موجود عمومی تجربات و کردار کچھ مخصوص علائم کو متشکل کرتے ہیں اور یہ علائم ہی انسان کا اجتماعی لاشعور ترتیب دیتی ہیں۔یہ علامات جب پختہ ہو جاتی ہیں تو انہیں آثار قدیمہ کا نام دے دیا جاتا ہے جو ایک معاشرے کی مناسبت سے اگرچہ محدود ہیں لیکن وسیع پیمانے پر ان علامات میں اشتراک بھی نظر آتا ہے۔مثال کے

طور لوک موسیقی کی پیشکش ہر معاشرے میں بظاہر الگ الگ ہو گی لیکن کہیں نہ کہیں اس کی بنیادیں باہم پیوست ہوں گی۔

جہاں تک انسانی شخصیت میں خواب کی کارفرمائی ہے تو فرائیڈ کے مطابق خواب کا تعلق انسان کے ماضی سے ہے جبکہ کارل جنگ کے مطابق خواب مستقبل سے بھی متعلقہ ہو سکتا ہے۔ بعض اوقات خواب کا خواب دیکھنے والی شخصیت کی زندگی سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا تاہم اس خواب میں اس معاشرے میں مروج آثار قدیمہ کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس بنیاد پر کارل جنگ خواب کو انسان کا اجتماعی لاشعور مرتب کرنے کا ایک ذریعہ قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک بعض اوقات انسان کے شعور کی نسبت اس کا لاشعور زیادہ فہم و درک کا حامل ہوتا ہے جس کی روشنی میں کیے گئے فیصلے زیادہ فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں۔ تاہم کارل جنگ کا یہ بھی خیال ہے کہ خواب کا تعلق خواب دیکھنے والی شخصیت سے بھی ہوتا ہے اس لیے خواب کی توضیح ایک پیچیدہ عمل بھی ہے۔

فرائیڈ کے پیش کردہ نظریات کے مطابق نفسیاتی مسائل کا تعلق لاشعور میں پنہاں جنسی تضادات سے جڑا ہوا ہے لیکن کارل جنگ کا ماننا ہے کہ نفسیاتی مسائل کا تعلق صرف جنسیات تک محدود نہیں بلکہ ان کا تعلق روحانیات سے بھی ہے۔ روحانیات کا دائرہ کار جنسیات کی نسبت خاصا وسیع ہے۔ جنس تو حیوانی جبلت میں بھی شامل ہے لیکن روحانیات کا عنصر بعض اوقات تمام ذہنی اذہان پر بھی کلی طور پر واضح نہیں ہوتا۔ اسی امر سے اس مضمون کی توسیع ظاہر ہوتی ہے۔ کارل جنگ کا کہنا ہے کہ مذہب اور روحانیت پر اجتماعی لاشعور کے گہرے اثرات ہیں۔ دنیا کے تمام مذاہب کے بنیادی نظریات مثلاً ربوبیت، وحدانیت، طاقت کے مابین مماثلت پائی جاتی ہے اور یہ مماثلت اس اجتماعی لاشعور کی جانب مشار ہے جو ہر انسان میں موجود ہے۔ اسی طرح فوبیا یعنی غیر معقول خوف کی بابت اکثر ماہرین اس نکتے پر اتفاق کرتے ہیں کہ یہ جینیاتی نمونے سے متعلقہ ہے اور یہ خوف بچپن میں ہی ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ لیکن کارل جنگ فوبیا میں بھی اجتماعی لاشعور کی کارفرمائی پر یقین رکھتا ہے۔

فرائیڈ کے مطابق انسان کا لاشعور انفرادی طور پر بے ہوش ہو سکتا ہے۔ اس ضمن میں انسان کی یاداشت کم ہونا یا دماغ کے معمولات میں خلل وغیرہ کی مثال لی جا سکتی ہے۔ لیکن کارل جنگ کا کہنا ہے کہ انسان کا اجتماعی لاشعور بھی بے ہوش ہو جاتا ہے۔ اجتماعی لاشعور کی بے ہوشی سے معاشرے کے معمولات میں خلل واقع ہوتا ہے۔ چونکہ اجتماعی لاشعور ایک معاشرتی رجحان کا اظہار ہے، جب اجتماعی لاشعور بے ہوش ہو جاتا ہے تو معاشرتی رجحانات بدلنے لگتے ہیں اور مروجہ علامات و آثار کی جگہ نئی علامات و آثار پر معاشرتی تشکیل ہونے لگتی ہے۔

ادبی مطالعات پر فرائیڈ کے اثرات کی چھاپ بہت گہری ہے اور اس کی اہمیت سے مفر نہیں تاہم ادب پر رموز و علائم کے اثرات سے بھی انکار نہیں۔ یہ رموز و علائم دراصل کارل جنگ کی بیان کردہ آرکی ٹائپس ہی ہیں جو ادب کے مطالعہ کے متنوع پہلو سامنے لاتی ہیں۔ سوزین لینگر کا کہنا ہے کہ :

" ہر ذہن میں علامتی مواد کا ایک بڑا ذخیرہ ہوتا ہے جس کے مختلف استعمال ہوتے ہیں۔"(14)

علامات کے اس ذخیرے کو اردو افسانوی ادب میں بھی خوب برتا گیا اور اس کی لاتعداد مثالیں دی جاسکتی ہیں تاہم مذکورہ مقالہ کو صرف حمید شاہد کے افسانوی مجموعہ "جنم جہنم" کے منتخب افسانوں کے نفسیاتی تجزیے تک محدود رکھا گیا ہے۔ یہ مصنف کا دوسرا افسانوی مجموعہ مطبوعہ ۱۹۹۸ء ہے جسے استعارہ پبلشرز اسلام آباد نے شائع کیا۔

افسانہ "تماش بین" مذکورہ مجموعے کا پہلا افسانہ ہے جس میں عورت کا وجود ایک تماشے کے طور پر سامنے آتا ہے۔ کہانی کا مرکزی کردار ایک دفتر کا مختار ہے جو کہانی کو صیغہ متکلم میں بیان کرتا ہے۔ ایک بیوہ خاتون اپنے مرحوم خاوند کے بقایا جات وصول کرنے اس کے دفتر جاتی ہے تو اس دفتر کا مذکورہ بالا مختار اپنی حریص فطرت کی بنا پر مذکورہ عورت کو دیکھتے ہوئے کہتا ہے:

"اس روز جب وہ میرے آفس میں داخل ہوئی، عورت کو چہرے کی بجائے نیچے سے اوپر قسطوں میں دیکھنے کی خواہش میرے اندر شدت سے مچل رہی تھی ۔ ہوا یوں کہ میں نے جیفرے آرچر کی کہانیوں کی کتاب "اے ٹوئسٹ ان دی ٹیل" رات ہی ختم کی تھی اور اس کی وہ کہانی جو ایمینڈا کرزن نامی دلکش دوشیزہ کے گرد گھومتی تھی ، میرے حواس پر بری طرح چھائی ہوئی تھی ۔"(15)

ایمینڈا کرزن کا کردار مذکورہ انگریزی افسانوی مجموعے میں شامل کہانی "چیک میٹ" سے مذکور ہے، ایمینڈا اپنے عریاں جسم کو چارہ بنا کر جوئے میں دو سو پاؤنڈ جیت لیتی ہے اور جوا ہارنے والا جان بوجھ کر اس جسم کی اشتہا کے عوض نقصان اٹھانے کو تیار ہو جاتا ہے۔ حمید شاہد کا افسانے میں ایمینڈا کو بطور حوالہ پیش کرنا اس بات کا مظہر ہے کہ مرد کے لاشعور میں عورت کا جسم ایک خاص اہمیت کا حامل ہے اور اس عنصر کا تعلق کسی ایک معاشرے سے مخصوص نہیں بلکہ یہ چلن تمام دنیا میں قریباً ایک سا ہے کیونکہ اس کی ابتدا

حیاتِ انسانی کے آغاز سے ہی ملتی ہے۔ یہاں کارل جنگ کا یہ نظریہ صادق آتا ہے کہ جبلتیں تمام دنیا میں یکساں ہیں اور جغرافیائی قیود کی پابند نہیں ہوتیں۔ پھر مذکورہ مرد جس طرح عورت کے سامنے اپنے آپ کو اخلاق کا مرقع بنا کر پیش کرتا ہے وہ جنگ کے نظریۂ شخصیت کے اس پہلو کی تائید کرتا ہے کہ انسان بوقتِ ضرورت سماجی تطابق کے لیے مناسب ترین پرسونا/نقاب کا انتخاب کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اسی طرح کہانی کے مرکزی مذکر کردار کی اس جنسی جبلت کا بھی اظہار واضح ہے جسے فرائیڈ کسی بھی شخصیت کا مرکز قرار دیتا ہے۔

افسانہ "ماخوذ تاثر کی کہانی" کا مرکزی کردار ایک ایسے مصنف کی بیوی ہے جو خونخوار جانوروں کی کہانیاں لکھتا ہے۔ عورت ان جانوروں سے خائف ہے۔ افسانے سے یہ ثابت نہیں کہ خونخوار جانوروں کا خوف عورت کے ذاتی لاشعور میں شامل کوئی تجربہ ہے نہ ہی اس قبیل کا کوئی اشارہ ملتا ہے کہ اسے ذاتی طور پر کبھی شیر یا ریچھ سے سابقہ پڑا ہے۔ یہ خوف عورت کے اجتماعی لاشعور کی کارفرمائی ہے۔ معاشرے میں مروجہ اساطیر کے مطابق جنگلی جانور خوف کی علامت سمجھے جاتے ہیں، مذکورہ عورت کے اجتماعی لاشعور میں بھی یہی خوف پنہاں ہے۔ کہانی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ افسانے میں مذکور مصنف اپنی کہانیوں میں جانوروں کو جس طرح بطور علامت برتتا ہے اس میں عورت کے وجود کو ایک کتیا کے برابر پیش کیا گیا ہے جس کا کام بچے جننا اور مالک کی گالیاں کھانا ہے۔ عورت کا یہ تصور مصنف نے معاشرے سے ہی کشید کیا ہے اور معاشرے میں پنپنے والا رویہ ہی اس کی کہانیوں میں اجتماعی لاشعور بن کر ابھرتا ہے۔(16)

افسانہ "پارو" ہسٹریا میں مبتلا ایک بے اولاد عورت کی کہانی ہے۔ اس کے شوہر ولایت خان نے "چت کبرا" نامی بیل رکھا ہوا ہے جس سے ہر سال ایک بچھڑا تولد ہوتا ہے۔ ہر سال جونہی بیل کا بچھڑا ہوتا ہے ساتھ ہی پارو کو ہسٹریا کا دورہ پڑتا ہے۔ پارو کو دورے پڑتے ہیں تو اس پر جنات کا سایہ متصور کیا جاتا ہے۔

> "لسی بلوتے بلوتے ایک روز پارو کو دورہ پڑا۔ یوں کہ اس نے بدن کے کپڑے پھاڑ ڈالے، بال نوچ لیے، جبڑے اکڑ گئے اور ہاتھ پاؤں ٹیڑھے میڑھے ہونے لگے۔ اماں حجن کا خیال تھا پارو پر جنات کا سایہ ہو گیا ہے۔۔۔ پارو کے دورے اور چت کبرے کی تعریفیں ایک ساتھ شروع ہوئی تھیں۔ ۔۔ صحت مند بچھڑے کی پیدائش کی خبر اور بعد ازاں دودھ کے نذرانے آنا معمول بن گئے۔۔۔ پارو جس پر پہلے پہل لسی بلوتے جن آیا کرتے تھے اب موقع بے موقع دوروں میں لوٹنے لگتی۔ جب وہ

جنات کے زیرِ اثر آتی تو عجب عجب حرکتیں کرنے لگتی۔ کبھی کبھی یوں لگتا وہ کسی ننھے منے بچے کو پیار سے پچکار رہی ہو۔"(17)

جنات کا یہ غیر سائنسی تصور کارل جنگ کے ماقبل مذاہب نظریات کے زاویے سے دیکھ سکتے ہیں۔ کارل جنگ نے یہ تصور سر جیمز کے مذہبی ارتقا کے تصور سے مستعار لیا ہے جس کے مطابق:

"یہ (مذہبی) ارتقا ضرور فطری رہا ہو گا کہ اول جادو، پھر ہمیشہ اس نتیجہ پر پہنچنا کہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں، پھر اگلے قدم میں جادو سے مذہب پر جانا اور پھر آخر میں سائنس پر پہنچ جانا۔"(18)

یعنی سائنس کی رو سے ان دوروں کی کوئی حقیقت فی الواقع نہیں۔ تاہم پارو کی ساس کا خیال ہے کہ ولایت خان کے لاولد ہونے میں پارو ہی قصوروار ہے۔ پارو کی ساس کا یہ خیال سو فیصد اس کا ذاتی عمل نہیں کیونکہ ایک طرف تو افسانے میں ایسے کوئی شواہد سامنے نہیں آتے جن سے پارو کا بانجھ پن ثابت ہو، دوسرے یہ کہ پارو کی ساس کا یہ خیال اس کے اجتماعی لاشعور میں پنپتا ہوا وہ تصور ہے جس کے مطابق اکثر معاشروں میں بے اولادی کی ذمہ داری عورت کے سر ڈال دی جاتی ہے۔ درج بالا حوالے کے تناظر میں دیکھیں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پارو کی یہ حالت ایک نفسیاتی عارضے کے باعث ہوتی ہے جس کے پیچھے جانوروں کے جوڑے کا بااولاد ہونا جبکہ انسان کا بے اولاد ہونے کا عنصر کارفرما ہے۔ یہاں فوبیا کے نظریات کو بھی مدنظر رکھا جا سکتا ہے۔ پارو کے دورے معاشرے میں پنپتے ہوئے اجتماعی لاشعور کا شاخسانہ معلوم ہوتے ہیں۔ افسانے میں مذکور چت کبرا بیل طاقت کی علامت ہے۔ بیل سے وابستہ طاقت کا تصور مغربی معاشرے کی علامت Red Bull کے تناظر میں برتا جا سکتا ہے اور یوں جنگ کے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ تمام معاشروں میں علامات کی اساس قریباً ایک جیسی ہوتی ہے۔ حمید شاہد کے علامتی شعور کی بابت عرفان جاوید لکھتے ہیں:

"حمید شاید نے اس دور میں شعور کی آنکھ کھولی جب ادب دوراہے پر تھا۔ انہوں نے روایتی اور علامتی کہانی پہلو بہ پہلو کہہ کر افسانے کو ہر دو طرح کے ذائقے دیے۔ گو ان کا نسبتاً نمایاں فن علامت کی الگنی پہ لٹکتی کہانی ہے۔ البتہ یہ خالص علامتی نہیں بلکہ رواں، شستہ، پر معانی کہانی ہے۔ اس میں علامت یوں بکھری ہے جیسے زردے کی اشتہا انگیز دیگ پر پستہ، بادام، کاجو اور اشرفیاں۔"(19)

"نرمل نیر" میں عورت کے جذبات کو ایک جل پری کے کردار کے توسط سے بیان کیا گیا ہے۔ کارل جنگ نے سائیکی کو دیومالا اور اساطیر کے تابع قرار دیا ہے۔ اس افسانے میں اساطیری ماحول اور دیومالائی فضا پورے اہتمام سے ملتی ہے۔ افسانے سے دیومالائی فضا کا ایک منظر ملاحظہ ہو:

"وہ تھی۔۔۔ بس وہ۔۔۔ اور جل۔

ایک بگھی اس کے واسطے تھی۔ رنس سے بنی ہوئی۔۔۔ جگر جگر کرتی۔

جس کے آگے بارہ بدلیاں جتی ہوئی تھیں۔

بدلیاں بھی ایسی، جن کے پاؤں میں بجلیاں بھری ہوئی تھیں۔ ہر دم۔ تازہ دم۔ لگامیں اس کے ہاتھ میں تھیں۔

وہ اس جل کے اوپر اس بگھی کو دوڑاتی پھرتی تھی۔"(20)

کہانی کا متکلم ذاتی لاشعور کی بجائے اجتماعی لاشعور پر مبنی کلام کرتا ہے جس کی بدولت اس افسانے کو صرف ایک عورت کی کہانی کہنے کی بجائے تمام عورتوں کے جذبات کی اجتماعی عکاسی قرار دیا جا سکتا ہے۔ تاہم مذکورہ عورت کے جذبات کا بہاؤ فرائیڈ کے پیش کردہ لاشعور کا بھی غماز ہے۔

افسانہ "گرفت" کا مرکزی کردار ایک ایسی عورت ہے جو جنگ کے روحانی نظریات و عقائد کی عکاسی کرتے ہوئے اس امر کی تائید کرتی ہے کہ اجتماعی لاشعور انسان کے روحانی عقائد پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ اس عورت کے لاشعور میں یہ تصور راسخ ہے کہ انسانی نفس کی خرابت کے بعد تطہیر کا عمل ممکن ہے، اپنے ساتھی مرد سے اس عورت کا یہ مکالمہ ملاحظہ ہو:

"آؤ پھسلتے پھسلتے وہاں ان ٹھنڈے میٹھے چشموں تک جا پہنچیں جن کا متبرک پانی ہمارے بدنوں سے بانجھ مشقتوں کو دھو کر انہیں زرخیز کر دے گا۔"(21)

اس حوالے کے تناظر میں انسان کی شخصیت کی تخریب و تعمیر میں اس جبلت کا اظہار ہوتا ہے جو آدم و حوا کے روئے زمین پر آنے کے وقت سے انسان کے ساتھ ہے۔ اس افسانے میں فرائیڈ کے پیش کردہ جنسی نظریات بھی متحرک نظر آتے ہیں جن کی بنا پر عورت اور مرد کا ایک دوسرے سے مخصوص تعلق استوار ہوتا ہے۔

"جنم جہنم" کے عنوان سے تین افسانوں کا سلسلہ ملتا ہے جو باہم پیوست ہیں۔ پہلے افسانے کا موضوع عورت ہے جو مرد کے لیے تماشا ہے۔ پہلے افسانے میں مذکور عورت کی خود نمائی و خود ستائش کی جبلت کو بیان کر کے ایک طرف فرائیڈ کے نظریۂ لاشعورِ ذاتی کی عکاسی کی گئی ہے تو دوسری طرف عورت کی خود نمائی سے جڑا اجتماعی لاشعوری رویہ بھی سامنے آتا ہے۔ علاوہ ازیں عورت کی خود نمائی کو اس کے ذاتی لاشعور کے آئینے میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ فرائیڈ کے مطابق بچپن میں دبے رہ جانے والے احساسات موقع ملنے پر پورے قد کے ساتھ سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں۔(22)

اس سلسلے کے دوسرے افسانے میں عورت اپنے شوہر کی موت کے بعد ماضی کی بازیافت کرتی نظر آتی ہے۔ اس کے لاشعور میں دخیل ماضی کی یادیں اسے جونکوں کی طرح چمٹ جاتی ہیں۔ اس کے لیے یاد ایک پالتو بلی ہے، دھیان گرگٹ ہے۔ یہ علامتیں آثارِ قدیمہ اور اجتماعی لاشعور کی عکاس ہیں جو اب ناآسودہ خواہشوں کا مظہر ہیں۔ یہاں فرائیڈ کے نظریہ خواب کی عکاسی بھی ملتی ہے لیکن جب عورت اپنے خوابوں کو سمجھ نہیں پاتی تو وہ کارل جنگ کے اس نظریہ کی تائید کرتی ہے کہ خوابوں کا تعلق انسان کی انفرادی شخصیت سے ہے اس لیے خوابوں کی توضیح کارِ سہل نہیں۔(23)

اس سلسلے کی تیسری کہانی میں عورت جنس سے ماورا ہو کر اپنی روح کی اصل کھوج نکل پڑتی ہے اور کارل جنگ کے اس نظریہ کی تائید کرتی ہے کہ انسان کا اجتماعی لاشعور اس کی روحانی وابستگیوں کو متشکل کرتا ہے۔(24)

افسانہ "نئی الیکٹرا" میں مذکور کردار "الیکٹرا" یونانی ڈرامہ نگار یوری پیڈیز کے ایک ڈرامہ سے ماخوذ ہے۔ اس علامتی کردار کے ذریعے عورت سے منتھی فتنہ و فساد اور عشوہ و ادا کو بیان کیا گیا ہے۔ عورت کو مسخرِ مرد قرار دے کر اس ازلی تصور کی تائید کی گئی ہے جو آغازِ حیات سے اذہانِ انسانی میں پنہاں ہے۔ کہانی کے دیومالائی کردار جنگ کے تصورِ آثارِ قدیمہ اور رموز و علائم کی تائید کرتے ہیں۔ قبل مسیح دور کے تحریر کردہ اس کردار کے ساتھ "نئی" کا اضافہ کر کے بھی افسانے میں عورت کا وہی روپ دکھایا گیا ہے جو پرانی الیکٹرا سے جڑا ہوا ہے۔(25)

فرائیڈ کے نفسیاتی نظریات میں الیکٹرا ایک مخصوص اصطلاح ہے:

"The Electra complex is a psychoanalytic term used to describe a girl's sense of competition with her mother for the affection of her father. It is comparable to the Oedipus complex in males." (26)

الیکٹرا کمپلیکس کو سمجھنے کے لیے ایڈی پس کمپلیکس کو سمجھنا از حد ضروری ہے۔ ایڈی پس ریکس ۴۳۰ قبل مسیح سے ۴۲۶ قبل مسیح کے درمیان عملی تشکیل پانے والا ڈرامہ ہے جس نے یونانی کلاسیکی ڈرامہ کے تمام خصائص کے ساتھ المیہ کی دنیا میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ ایڈی پس یونان کے شہر تھیبیز کا حکمران ہے اور اس کے شہر کو طاعون کی وبا نے آن گھیرا ہے۔ وہ اپنے شہر کو مصفا کرنے کے لیے دیوتاؤں سے رجوع کرتا ہے تو اسے جواب ملتا ہے کہ تصفیہ تب ہی ممکن ہے جب وہ اپنے شہر سے اس منحوس شخص کو نکال باہر کرے جو اپنے باپ کو قتل کرنے کے بعد اپنی ہی ماں کے ساتھ شادی شدہ زندگی گزار رہا ہے۔ ایڈی پس اس شخصِ مذکور کو تلاش کرتا ہے۔ ستم ظریفی دیکھیے کہ وہ شخص وہ خود ہی ہے اور اسے بات کی خبر تک نہیں۔ ایڈی پس ایسے رذیل جرائم کا ارتکاب کیونکر کرتا ہے اور اسے اپنی ذات کی حقیقت کا علم کیسے ہوتا ہے، یہی اس ڈرامہ کی کہانی ہے۔ ایڈی پس ریکس اگرچہ ایک افسانوی کردار ہے لیکن افسانوی کردار حقیقت سے جنم لیتے ہیں اور حقیقت کو جنم دیتے بھی ہیں۔ اسی نظریے کے پیشِ نظر فرائیڈ نے ایڈی پس ریکس کے کردار سے "ایڈی پس کمپلیکس" کی اصطلاح وضع کی جس کے مطابق:

> **Oedipus complex,** in psychoanalytic theory, is a desire for sexual involvement with the parent of the opposite sex and a concomitant sense of rivalry with the parent of the same sex; a crucial stage in the normal developmental process.(27)

گویا ڈرامہ میں جو بات کہانی کے رنگ میں بیان کی گئی ہے، در حقیقت وہ کسی نہ کسی طور انسانی نفسیات کا ایک پہلو بھی ہے۔ الیکٹرا کمپلیکس اس کردار کی مونث ہے۔ یہ کردار اس وقت وضع ہوتا ہے جب لڑکی کی جنسی خواہشات کا محور اس کا باپ ٹھہرتا ہے۔ لڑکیوں میں بھی یہ خواہش شدت پکڑ سکتی ہے لیکن یہ شدت لڑکوں کی نسبت خفیف ہوتی ہے۔ نظریہ ہذا کی روشنی میں لڑکی کی نظر لڑکوں کے عضو خاص پر پڑ جائے تو اسے گمان گزرتا ہے کہ شاید اس کا بھی یہ عضو تھا لیکن اس کی ماں نے اسے عمل برید سے تلف کر دیا ہو گا۔ فرائیڈ نے اس خیال کو رشک قضیب کہا ہے۔ یوں لڑکی اپنے لاشعور میں ماں کو اپنا حریف سمجھ لیتی ہے۔(28)

اس تناظر میں افسانے سے کچھ خاص بیانات درج ہیں:

> "پرانے والی الیکٹرا کو اس کی بے وفا ماں اور اس کے بد طینت عاشق کی وجہ سے سب کچھ چھوڑنا پڑا، جبکہ اسے یعنی نئی الیکٹرا کو جن لوگوں کی وجہ سے گھر بدری پر مجبور ہونا پڑا، ان میں ایسے لوگوں کے نام ہیں جن کا وہ بتانا نہیں چاہتی۔"(29)

درج بالا اقتباس کی آخری سطور الیکٹرا کمپلیکس کی کھلی توضیح ہیں۔ درج بالا مذکورات اس امر پہ دلالت کرتے ہیں کہ حمید شاہد کے افسانے ان کے گہرے نفسیاتی شعور کا پتا دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنے افسانوں کے اکثر کرداروں کی بنت کارل جنگ کے نظریۂ شخصیت کی روشنی میں کی ہے اور قاری کو مدعو کیا ہے کہ وہ بھی انسانی معاشرے میں موجود مختلف کرداروں کی تفہیم نفسیات کی روشنی میں کرنے کا اہل ہو تاکہ معاشرتی ناہمواریوں پر کسی قدر قابو پایا جا سکے۔ علاوہ ازیں ان کے کرداروں میں فرائیڈ کے شخصی نظریات کی چھاپ بھی صاف نظر آتی ہے۔ حمید شاہد کی افسانہ نگاری کی بابت اسلم فرخی کے خیالات منقول ہیں:

"حمید شاہد نے بھرپور اظہار اور اٹھتی، ابھرتی اور پھیلتی لہروں کو اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کی ہے۔ یہ افسانے محمد حمید شاہد کے خوب صورت ہمہ جہتی انداز اور فکر کے آئینہ دار ہیں۔"(30)

درج بالا بیان اس امر کی تائید کرتا ہے کہ حمید شاہد کے کردار ذاتی لاشعور کا بالعموم جبکہ اجتماعی لاشعور کا بالخصوص مرقع ہیں۔ انہوں نے اپنے کرداروں کے ذریعے معاشرے کے اہم آثارِ قدیمہ سے پردہ اٹھاتے ہوئے قاری کو اس بات کا موقع فراہم کیا ہے کہ وہ بھی معاشرے کی بے ربطگیوں کا تجزیہ کرنے کے لائق ہو سکے۔ اس طرح سے انہوں نے متن کی تخصیص کی بجائے تعمیم کا فریضہ سرانجام دیا ہے اور متن کے سماجی تفاعل کے عمل کو یقینی بنایا ہے۔ حمید شاہد کا یہ اقدام لائق تحسین ہے کہ انہوں نے ادب کی صورت گری میں سماج کو مرکز بنا کر افسانے کی فعالیت کو حقیقت سے قریب تر کر دیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ جلیل عالی، جرات اور مزاحمت، مشمولہ: چہار سو (ماہنامہ)، (راولپنڈی: جلد ۳۰، شمارہ: مئی جون، ۲۰۲۱ء)، ص: ۳۹

۲۔ قدرت اللہ شہاب، سرکس کا سانٹے مار، مشمولہ: مفتیانے، (لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، بار دوم، ۱۹۹۶ء)، ص: ۱۵۲۲

۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نفسیاتی تنقید، (لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اول، ۱۹۸۶ء)، ص: ۱۸۲

4. Richard M. Ryckman, Theories of personality, (Maine: University of Maine, 9th edition, 2008), p: 36 -37

5. Ibid, p: 36

6. Ibid, p: 36 -37

7 Ibid, p: 37

8. Ibid, pg:83

9. Barbara Engler, Personality Theories: An Introduction, (United States of America, Wadsworth: Cengage Learning, 9th Edition, International Edition, 2014), p:84

10. Ibid, p:70-71

11. Ibid, p:69

12. Ibid, p:69

13. Ibid, p:70

۱۴۔ انیس اشفاق،اردو غزل میں علامت نگاری،(اترپردیش:اردواکادمی،۱۹۹۵ء)،ص: ۲۸

۱۵۔ محمد حمید شاہد،جنم جہنم،(اسلام آباد:استعارہ پبلشرز،۱۹۹۸ء)،ص:۲۱

۱۶۔ حمید شاہد،ایضاً،ص:۳۱-۴۳

۱۷۔ حمید شاہد،ایضاً،ص۵۲-۵۳

18. https://jaeza.pk/taasrat/archetypes-carljung-syedahmarnauman/

بوقت: 10:15 PM ،بتاریخ:۲۴اپریل۲۰۲۲ء

۱۹۔ عرفان جاوید،خیال آمیز وفکرافروزافسانے،مشمولہ:چہار سو،محولہ بالا،ص:۴۵

۲۰۔ حمید شاہد،ایضاً،ص۷۱

۲۱۔ حمید شاہد،ایضاً،ص۷۶

۲۲۔ حمید شاہد،ایضاً،ص۱۰۳-۱۱۱

۲۳۔ حمید شاہد،ایضاً،ص۱۱۳

۲۴۔ حمید شاہد،ایضاً،ص۱۱۹-۱۲۲

۲۵۔ حمید شاہد،ایضاً،ص۱۳۳-۱۴۰

26. https://www.verywellmind.com/what-is-the-electra-complex-2795170#:~:text=The%20Electra%20complex%20is%20a,the%20Oedipus%20complex%20in%20males

بوقت: 9:15 PM ،بتاریخ:۲۶اپریل۲۰۲۲ء

27. Oedipus complex | Definition & History | Britannica

بوقت: 9:45 PM ،بتاریخ:۲۶اپریل۲۰۲۲ء

۲۸۔ سگمنڈ فرائیڈ،تحلیل نفسی کا اجمالی خاکہ،مترجم،پروفیسر ظفر احمد صدیقی،(نئی دہلی:ترقی اردو بیورو،۱۹۸۵ء)،ص۳۵

۲۹۔ حمید شاہد،جنم جہنم،ص۱۳

۳۰۔ اسلم فرخی،ڈاکٹر،ہمہ جہتی انداز،مشمولہ:چہار سو،محولہ بالا،ص:۳۹